قسط نمبر (۹)

ہندوتہذیب اور مسلمان

(از ڈاکٹر محمد عمر صاحب، استاذ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی)

بسنت

کہا جاتا ہے کہ بہار راگ اور میلہ بسنت نے بھی امیر خسرو کی طبیعت کو متاثر کیا تھا[۵۱]۔ مگر تاریخ کی کتابوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مسلمانوں میں اس تہوار کی ابتدا کہاں سے ہوئی۔ اس سلسلہ میں خواجہ حسن نظامی مرحوم نے یہ روایت بیان کی ہے۔

" ساتویں صدی ہجری کے اختتام پر حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے حقیقی بھانجے مولانا تقی الدین نوح[۵۲] نے جو خواجہ رفیع الدین ہارون[۵۳] کے چھوٹے بھائی تھے عنفوان شباب میں بعارضۂ دق اس دار ناپائیدار سے انتقال فرمایا۔ حضرت سلطان المشائخ کو اس لایق ہونہار سید اور صالح بھانجے سے بہت الفت تھی۔ حضرت کو اس صاحبزادے کے انتقال سے ایسا صدمہ پہنچا کہ عالم سکوت طاری ہوگیا۔ یہاں تک کہ چھ ماہ تک آپ نے اس صدمہ کی وجہ سے تبسم

---

[۵۱] حیات خسرو (از سعید احمد مارہروی) مطبع آگرہ ۱۳۲۱ھ ص ۵، نیز ملاحظہ ہو آب حیات ص

[۵۲] ملاحظہ ہو۔ سیر الاولیا۔ ص - ۲۰۳ - ۲۰۴

[۵۳] " " ص ۲۰۳

نہیں فرمایا۔ حضرت کے یا ماں جاں نثار کے علاوہ تمام دہلی میں ان صاحبزادے کے انتقال سے عام ماتم اور کہرام تھا۔ خصوصاً حضرت امیر خسرو کو، علاوہ اپنے رنج و صدمہ کے حضرت سلطان المشائخ کے اس صدمے اور سکوت کی وجہ سے کسی وقت قرار نہ تھا۔ وہ ہمہ وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی سامان حضرت کی شگفتگی اور غم غلط ہونے کا پیدا کیا جائے۔ ایک دن مع اپنے چند دوستوں کے جنگل کی سیر کرتے پھرتے تھے۔ بہار کے خوشنما موسم کا آغاز تھا۔ ہرے بھرے کھیتوں میں سرسوں کے زرد پھول بہار دکھا رہے تھے۔ سامنے پہاڑ پر کالکا جی کا مندر تھا۔ بسنت پنچمی کا دن تھا۔ مندر پر میلہ لگا ہوا تھا اور مورت پر سرسوں کے پھول کا مینہہ برس رہا تھا۔ اور اکثر لوگ عجیب خود رفتگی سے ترانے الاپ رہے تھے۔ جب امیر خسرو نے یہ حال دیکھا۔ اس خوشنما منظر کا ان کے دل پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اسی وقت فارسی اور ہندی کے چند شعر موزوں کئے۔ جنگل سے سرسوں کے پھول توڑے اور پگڑی کو ذرا سا کج کر کے اس طرز سے باندھا کہ مستانہ شان معلوم ہوتی تھی۔ اس ہیئت سے ان اشعار کو پڑھتے ہوئے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت سلطان المشائخ اس وقت حسب دستور مرحوم خواہر زادہ کے مزار پر تشریف لائے تھے اور قریب ہی ایک برجی میں جلوہ افروز تھے۔ آپ خسرو کی یہ مستانہ ادا دیکھ کر اور فارسی ہندی کے اشعار اس رنگ میں سن کر بہت محظوظ ہوئے۔ کامل چھ مہینے کے بعد تبسم فرمایا۔ اس دن سے آج تک بسنت پنچمی کے دن جب ہندو کالکا جی کے مندر پر جاتے ہیں تو دہلی اور قرب و جوار کے خاص اور ممتاز صوفی چند قوالوں کو لے کر سرسوں کے پھول ہاتھ میں لئے اشعار پڑھتے ہوئے، اوّل اس مقام پر جہاں حضرت سلطان المشائخ اس دن تشریف رکھتے تھے، جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے خواہر زادہ مولانا تقی الدین نوح کے مزار پر ہوتے ہوئے حضرت کے روضۂ اقدس پر آتے ہیں۔ قوال ہندی کی ٹھمریوں کو پڑھ کر اس شعر؛

اشک ریز آمد است ابر بہار
ساقیا گل بریز بادہ بیار

کو بار بار پڑھتے ہیں [1]

بسنت کا میلہ ماگھ (جنوری۔ فروری) مہینے کی پانچویں کو منایا جاتا تھا۔ یہ بہت بڑے جشن کا دن تھا۔ ایک دوسرے پر رنگ گلال اور عبیر چھڑکا جاتا تھا۔ بسنتی لباس زیب تن کیے جاتے تھے۔ گانے، بجانے اور رقص و سرود کی محفلیں سجتی تھیں۔ یہ زمانہ ہندوستان میں آمد بہار کا زمانہ ہوتا ہے۔ [2]

مغل دربار میں بڑی دھوم دھام سے یہ تہوار منایا جاتا تھا۔ اورنگ زیب کے عہد میں دربار سے اس کا رواج اٹھ گیا تھا۔ مگر اس کے جانشینوں کو اس سے بڑی دلچسپی تھی شاہزادہ عظیم الشان اس دن زرد لباس زیب تن کیا کرتا تھا۔[3] شاہ عالم ثانی، اکبر ثانی اور بہادر شاہ ظفر کے دورِ حکومت میں شاہی محل میں جس شان و شوکت سے یہ جشن منایا جاتا تھا، اس کی عکاسی شاہ عالم ثانی نے خود نادرات شاہی کے اشعار میں کی ہے۔

مثلاً:-

آج لے لے آئیں سب سکھی مل یہ نیکو رنگ
نئے نئے پھولن سوں کھیلن بسنت شاہ عالم کے سنگ [4]

پھولوں کے گڑوے بنا کر، ان کو سر پہ رکھ کر، بسنت گاتے ہوئے بادشاہ کو مبارکباد دی جاتی تھی۔ مستورات اور خدام محل کیسری رنگ کے لباس پہنتے تھے۔ اور ہر طرح کی خوشیاں مناتے تھے۔ رقص و سرود ہوتا تھا۔ بادشاہ کی تعریف میں گیت گائے جاتے تھے۔ اور بادشاہ کی

---

[1] ماخوذ از حیات خسرو۔ ص ۱۸۴-۱۸۶
[2] آئین اکبری (اردو ترجمہ) ج ۲۔ ص ۲۹۳
[3] اخبار محبت (قلمی) ص ۳۷۵
[4] نادرات شاہی۔ ص ۹۹

درازئ عمر کی دعائیں مانگی جاتی تھیں [1]

بادشاہوں کی تقلید میں امراء بھی اس تہوار سے دل کھول کر حظ اٹھاتے تھے۔ اور ان کے محل کی مستورات بھی اس دن کی رسومات ادا کرنے میں اپنی ہندو بہنوں سے کسی طرح بھی پیچھے نہ رہتی تھیں۔ طباطبائی نے لکھا ہے کہ نواب صولت جنگ[2] (ناظم بنگال) کے محل کی عورتیں بسنت پنچمی کا جشن منایا کرتی تھیں[3]۔ نواب غازی الدین خاں حیدر (لکھنوی) بسنتی لباس پہنا کرتا تھا اور محل میں ہر طرف کیسری رنگ ہی کی بھرمار ہوتی تھی۔

مصحفی نے نواب کی محفل بسنت کا ان اشعار میں نقشہ پیش کیا ہے۔

مردم ہمہ لباس بسنتی نمودہ اند — یعنی نوید داد بہ پیر و جوان بسنت
نواب اکہ غازی الدین است نام او — آمد از و بہ کشور ہندوستان بسنت
بر فیل ہائے جھول بسنتی و زر نگار — بر ہودج طلا نو کی چون شہان بسنت

---

[1] نادرات شاہی۔ ص ۹۹، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۴۹، ۱۴۳

بہادر شاہ ظفر کے کلام میں بھی ایسے اشعار ملتے ہیں جس سے اس کی اس تہوار سے رغبت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ بسنت سے متعلق اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہماری زردی رخسار ہے بہار بسنت — ہمارے رنگ سے ہے رنگ اعتبار بسنت
کہاں ہے ساغر یاقوت زرد میں مے سرخ — بہار گل ہے ہم آغوش و ہمکنار بسنت
وہ قد جو دیکھ کے گڑ دوا سا جی سے گذریں ہم — تو ہو مزار پر اپنے نہ کیوں گذار بسنت

کلیات ظفر (نول کشور ۱۸۸۱ء) دیوان دوم۔ ص ۳۴

نیز ملاحظہ ہو۔ بزم آخر۔ ص

[2] تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ سیر المتاخرین (اردو ترجمہ) ج ۲۔ ص ۲۲۴ - ۲۵۱

[3] سیر المتاخرین (اردو ترجمہ) ج ۲۔ ص ۲۴۶

سیر گل بدوش کہاران زرد پوش آوردہ است پالکی و تا جمال بسنت[1]

عام مسلمان بھی اس تہوار میں بڑی دل چسپی لیتے تھے۔ سات دن تک یہ جشن مناتے تھے
درگاہ قلی خاں نے دہلی کے جشنِ بسنت کا چشم دید منظر ان الفاظ میں پیش کیا ہے:۔

"بسنت کے میلے دہلی کے تمام میلوں میں اپنی خصوصیات کے لحاظ سے نرالے ہوتے ہیں۔ بسنت کے مہینے کی پہلی تاریخ کو دہلی کے تمام باشندے حضرت سرورِ کائنات کے قدم شریف پر آتے ہیں اور صبح سے شام تک وہاں قیام کرتے ہیں۔ قدم شریف کے آس پاس کے باغات اور میدان اور مکانات آدمیوں سے بھر جاتے ہیں۔ تمام لوگ زرق برق، زعفرانی پوشاکوں میں ملبوس بڑے اہتمام سے آراستہ پیراستہ ہو کر آتے ہیں۔ قدم شریف کے صحن میں اور اردگرد کے تمام مقامات پر ڈیرے اور خیمے لگا کر رہتے ہیں۔ اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان بھی لاتے ہیں۔ اور اعلیٰ اور قیمتی فرش و فروش بچھاتے ہیں جس کے سبب ہزاروں رنگ برنگ کے فرش میدانوں، باغوں اور قدم شریف کے صحن میں نظر آتے ہیں جب پر اہلِ دہلی ٹولیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے خوش گپیوں اور تفریحی مشاغل میں مصروف ہوتے ہیں۔ لوگ صبح سویرے اس خیال سے آتے ہیں تاکہ وہ اپنا ڈیرہ قدم مبارک کے صحن میں ڈال سکیں۔ اس پر بھی بڑی کوشش کرنی پڑتی ہے کیوں کہ ہزاروں اشخاص اس تمنا سے آتے ہیں اور اچھا خاصا ہجوم صبح صبح ہو جاتا ہے۔ قدم شریف کے اندر اور باہر تمام دن قوالوں کا گانا ہوتا رہتا ہے اور مجرا بھی ہوتا ہے۔ ہزاروں قوال اور ہزاروں مجرا کرنے والے جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ زمزمہ سنجی کا ایک ایسا منظر دیکھنے میں آتا ہے جس سے روح میں وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ صبح کی نماز سے عصر تک

---

[1] ریاض الفصحا۔ ص ۲۹۔ دیگر نوابین اودھ کیلئے ملاحظہ ہو۔ تاریخ اودھ نجم الغنی ج ۳ ص ۱۴ نیز سیف الملوک ص ۸۴۔ الف۔

یہی حال رہتا ہے۔ اس کے بعد لوگ فاتحہ، درود پڑھ کر اپنے گھروں کو واپس چلے آتے ہیں۔ دوسرے دن اسی طرح دہلی والے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر حاضر ہوتے ہیں اور تمام دن مزار کی زیارت کرنے اور فاتحہ پڑھنے، سیر و تفریحات کرنے میں گذار دیتے ہیں۔ بالکل قدم شریف کی طرح یہاں کا بھی منظر ہوتا ہے۔ لوگ شام کو واپس ہوتے ہیں۔ اور راستے میں حضرت نصیرالدین چراغ دہلی کے مزار پر چراغاں کرتے... اور فاتحہ پڑھتے ہیں۔ تیسرے دن حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء کی درگاہ معلی پر خلقت کا مجمع ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت کی درگاہ شہر سے قریب ہے اس وجہ سے یہاں بے انتہا لوگ آتے ہیں اور اس سبب سے بھی مجمع زیادہ ہوتا ہے کہ سلطان جی سے تمام دہلی والوں کو بے حد عقیدت ہے۔ درگاہ شریف میں مجلس سماع منعقد ہوتی ہے اور نامی گرامی قوال جمع ہوتے ہیں۔ صوفیاء اور اہل ذوق حضرات دن بھر وجد اور حال میں رہتے ہیں۔ اور مشائخ اور فقراء بھی مراقبوں، اور ذکر و اذکار میں مشغول رہتے ہیں۔ عوام قوالیاں سننے اور تفریحات کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور یہ دن بھی بڑی خوشی و مسرت سے پورا ہوتا ہے۔ چوتھے دن حضرت شاہ رسول نما[1] کے مزار پر بسنت منایا جاتا ہے۔ چونکہ یہ مزار شہر کے وسط میں ہے، اس وجہ مجمع بھی بہت ہوتا ہے تمام راستے، گلیاں اور مکانات کی چھتیں آدمیوں سے پٹ جاتی ہیں۔ اور کہیں

---

[1] اورنگ زیب کے عہد میں ایک بلند مرتبت اور خدارسیدہ بزرگ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انھی یہ کرامت تھی کہ جسے چاہتے اسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ مبارک دکھا دیتے تھے۔ ملاحظہ ہو منتخب اللباب (خافی خاں) ج ۲۔ ص ۵۵۲۔ ۵۵۲ تاریخ ہندی (قلمی) ص ۶۰۴-۶۰۵ آپ کا عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ مرقع دہلی۔ ص ۹

تل رکھنے بھر کو گنجایش نظر نہیں آتی۔ یہاں پر بھی دن بھر رنگ رلیاں اور سیر و تفریح ہوتی ہے اور زیادہ تر قوالوں کی نقل بازیاں ہوتی ہیں۔ اور اس موقع پر بڑے بڑے قوال جمع ہوتے ہیں۔ پانچویں دن حضرت شاہ ترکمانؒ کے مزار پر یہ میلہ لگتا ہے۔ یہاں خاص طور پر حسینوں، مہ جبینوں اور نظر فریب امردوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ عیش و عشرت نشاط و مسرت کے سامان زیادہ فراہم کئے جاتے ہیں جس طرح رات کو تاروں کی چمک دمک آنکھوں کو بھلی لگتی ہے، اسی طرح اس موقع پر حسینوں کی آن بان دل کو لبھاتی ہے۔ سارا دن نازک اور رنگین مخلوق کے ساتھ نظارہ بازی میں صرف کیا جاتا ہے اور قوالی خوب ہوتی ہے چھٹے دن امراء اور شہر کے معزز اور منتخب حضرات بادشاہ سلامت کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور بسنت کی مبارکباد دیتے ہیں۔ ساتویں دن کی رات کو دہلی کے رنگین مزاج لوگ حضرت عزیزیؒ کی درگاہ پر جاتے ہیں جو احدی پورہ میں ہے۔ اور یہ سب شراب نوشی، رقص و سرود کی محفلیں رچانے اور عیاشیاں کرنے میں گذار دیتے ہیں۔ کمال یہ کہ شراب نوشی اور ناچ رنگ کے متعلق زائرین کا یہ عقیدہ ہے کہ اس سے حضرت عزیزیؒ کی روح خوش ہوتی ہے۔ غرض کہ تمام رات یہاں میخواروں، نظارہ بازوں اور حسینوں کا ہجوم رہتا ہے۔ خواہشات نفسانی بلا کسی محتسب کے خوف و خطر کے پوری کی جاتی ہیں۔[1]

بحیثیت مجموعی بسنت کا یہ پورا ہفتہ بہت دلفریب اور دلچسپ ہوتا ہے۔ اس میں سیر و تفریح، دلچسپی اور حسن پرستی کے پورے سامان موجود ہیں۔ وہ لطف جو ایک سال میں بھی حاصل ہونا مشکل ہے۔ وہ بسنت کے ایک ہی ہفتہ میں حاصل

---

[1] مرقع۔ دہلی۔ ص ۸

بڑھ جاتا ہے۔ بسنت کا اتنا شاندار اور رنگین منظر صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے[1]
شمالی ہندوستان کے تمام بڑے شہروں اور دیہاتوں کے لوگ اس دن بزرگوں کے مزار پر جاتے تھے۔ پنجاب کے علاقے میں اس دن پتنگ بازی بھی ہوتی تھی۔ مرزا قتیل کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے نصف اوّل میں دہلی کے مسلمان بسنتی لباس پہننے سے گریز کرنے لگے تھے۔ مرزا قتیل کا یہ بیان ہے۔

"اس دن کی آمد سے پانچ روز قبل گانے والے مٹی کے برتن میں لبریز خوشے اور گل سرشف ڈال کے روزانہ کسی بزرگ کے مزار پر جاتے ہیں اور بسنت کی تہنیت اور نیز صاحب مزار کی مدح میں اشعار گاتے ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی ٹولیاں تماشے کے لئے ان کے ساتھ نکلتی ہیں۔ اس طرح پری پیکر لولیاں بھڑکیلے لباسوں میں ملبوس ہو کر قبروں پر جا کر رقص کرتی ہیں ہر شہر کے بزرگوں کے مزاروں پر جا کر مطربوں اور لولیوں کے رقص و سرود کرنے کا مقصد تمام سال بابرکت گذر جانے کا شکریہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ .... شاہجہان آباد اور اس کے اطراف کے کچھ لوگ اب پیلے لباس کو عار سمجھنے لگے ہیں البتہ بعض لولیاں پہنتی ہیں۔ اور کچھ لوگ پگڑی اور چادر کو زرد رنگ لیتے ہیں۔ لیکن پنجاب کے شہروں میں عورت اور مرد کیا ہندو اور کیا بازاری اور نوکر پیشہ مسلمان سب کے سب پیلے لباس پہنتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہو کر شہر کے باہر جاتے ہیں۔ اور کاغذ کے ہزاروں پیلے پتنگ زرد ڈوری سے ہوا میں اڑاتے ہیں۔ پنجاب کے شہروں میں سے کوئی بھی شہر ایسا نہیں ہے جہاں یہ تماشہ نہ ہوتا ہو[2]

فائز دہلوی کی بسنت کی منظر کشی قابل مطالعہ ہے۔

آج ہے روز بسنت اے دوستاں سرو قد ہیں بوستاں کے درمیاں

---

[1] مرقع دہلی۔ ص۔ ۳۰۔ ۳۲ [2] ہفت تماشا۔ ص ۸۸۔ ۸۹

باغ میں ہے عیش و عشرت رات دن گل رخاں بن نہیں گزرتی ایک چھن
سب کے تن پر ہے لباس کیسری کرتے ہیں صد برگ سوں سب ہمسری
ہر چنبیلی از لباس کیسری تازہ کرتی ہے بہار جعفری
بیٹھ ہنڈولے جھولتی گاتی ہنڈول لے گلال نت گل مل کرتی ٹھٹھول
ناچتی گاگا ہلو رہی دمبدم جیوں سبھا اندر کی در باغ مدام
جوش عشرت گھر بہ گھر ہے ہر طرف ناچتی ہیں سب تکلف بر طرف[1]

درحقیقت ۱۹۵۷ء تک آگرہ[2] اور دہلی کے مسلمان اور بالعموم شمالی ہند کے مسلمان بسنت کا میلہ بڑی دھوم دھام اور جوش وخروش سے مناتے تھے۔ حیات جاوید میں لکھا ہے کہ دہلی میں جو بسنت کے میلے ہوتے تھے۔ سرسید احمد خاں بھی ان میں شرکت کرتے تھے۔ خود ان کے نانا خواجہ فرید[3] کے مزار پر جو منگھٹ کھمبے میں جو بسنت کا میلہ ہوتا تھا اس میں وہ اپنے دیگر بھائیوں کے ساتھ منتظم اور مہتمم ہوتے تھے۔

اسی زمانے میں خواجہ محمد اشرف نامی ایک بزرگ دہلی میں رہتے تھے۔ ان کے گھر پر بسنت کا میلہ ہوتا تھا۔ شہر کے خواص وہاں مدعو ہوتے تھے۔ ناحنی نامی رقاصائیں کیسری لباس زیب تن کر کے وہاں برائے رقص آتی تھیں۔ مکان میں زرد فرش ہوتا تھا اور دالان کے سامنے ایک چبوترہ تھا۔ جس میں ایک حوض تھا۔ اس سے زرد پانی کے فوارے چھوٹتے تھے باغ میں موسم کی مناسبت کے پھول کھلے ہوتے تھے اور طوائفیں باری باری رقص کرتی تھیں[4]

سعید احمد مارہروی اپنے زمانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پندرہ دن مختلف

---

[1] اس نظم کا عنوان "تعریف ہولی" ہے۔ مگر اس میں زیادہ تر بسنت کے تہوار کی منظر کشی ہے۔ دیوان فائز ص ۲۰۳-۲۰۴ [2] آگرہ میں بسنت کے جشن کی تفصیلات ملاحظہ ہو۔ کلیات نظیر اکبر آبادی ص ۴۲۵-۴۲۳ [3] برائے حالات ملاحظہ ہو۔ سیرت فریدیہ۔ [4] حیات جاوید (از الطاف حسین حالی) ص ۳۰

مزاروں پر بسنت کے اسلامی میلے نہایت دھوم دھام اور ناچ و سرود کے ساتھ ہوتے تھے۔ ان پر ہزاروں روپیہ صرف ہوتا تھا۔ آگرہ میں بھی شہر کے تمام پیشہ ور مسلمان کھیلیں لیکر جنگلوں میں بسنت مناتے اور حلوہ پوری اڑانے جاتے تھے۔ اور گھروں میں عورتیں بھی بسنتی کپڑے پہن کر کڑھائیاں چڑھا کر پکوان کرتی تھیں ۔ دل مل کر گیت گاتی تھیں۔ شمالی ہندوستان کے اکثر شہروں اور قصبوں کے مسلمانوں میں کم و بیش بسنت کی رسمیں جاری تھیں۔[1]

سلونو[2]

اس تہوار کو راکھی بندھن بھی کہتے ہیں۔ اکبر بادشاہ نے اسے ایک ملکی تہوار کی اہمیت بخشی تھی اور خود اس نے اپنی کلائی میں راکھی بندھوائی تھی[3] بادشاہ کی پیروی میں امراء نے بھی بادشاہ کی کلائی میں راکھی باندھنا شروع کر دیا اور وہ لوگ خود بھی اپنے ملازمین سے راکھی بندھواتے تھے[4] جہانگیر نے اپنے عہد میں ایک حکم جاری کیا کہ تمام ہندو امراء

---

[1] حیات خسرو۔ ص ۱۸۶

[2] لفظ سلونو، فارسی لفظ سالِ نو سے غالباً بنا لیا گیا ہے جس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ ہندوؤں کا سب سے پہلا بڑا تہوار رسال میں یہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر کے زمانہ میں اس تہوار کا نام سالِ نو رکھا گیا تھا۔

برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ ہندو تہواروں کی اصلیت۔ ص ۷۰۔ ۷۳

نیز ہفت تماشا۔ ص ۷۸۔ ۸۰ انتخاب نثر اردو (مرتبہ نسیم قریشی) علی گڑھ۔ سلونو از نوشتہ راشد الخیری) ص ۱۵۹۔ ۱۷۰

[3] بدایونی (فارسی) ج ۲۔ ص ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ بہادر شاہ اور پھول کی سیر از مرزا فرحت اللہ

[4] آئین اکبری (انگریزی ترجمہ) ج ۳۔ ص ۳۵۱۔ تزک جہانگیری (انگریزی ترجمہ) ج ۱۔ ص ۲۴۶

اس کی کلائی میں راکھی باندھا کرتی[1]۔ بعد ازاں یہ تہوار دربار مغلیہ کے جشنوں میں شمار ہونے لگا۔ اورنگ زیب کے جانشینوں کے عہد میں ۱۸۵۷ء تک دربار میں اس تہوار کی رسومات پر عمل ہوا تھا اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر[2] کو اس تہوار سے بڑی دلچسپی تھی کبھی بادشاہ بذات خود یا کبھی اس کے بیٹے اس جلوس کی قیادت ہاتھی پر سوار ہو کر کیا کرتے تھے۔ یہ جلوس شاہی محل سے قطب الدین بختیار کاکی کے مزار تک جاتا تھا سواری کے موقع پر خدام بادشاہ اور شاہزادوں کو پنکھا جھلا کرتے تھے۔

منشی فیاض الدین نے مغل دربار میں اس جشن کے منائے جانے کی ذیل وجہ بیان کی ہے کہ "عزیز الدین عالمگیر ثانی[3] اس کے وزیر غازی الدین خاں[4] کو دشمنی تھی۔ ایک دن

---

[1] تزک جہانگیری (انگریزی ترجمہ) ج ۱۔ ص ۲۴۶

[2] SPEAR: TWILIGHT OF THE MUGHALS: P. 74 ————

[3] عزیز الدین محمد عالمگیر ثانی ابن جہاندار شاہ ابن شاہ عالم بہادر شاہ ۱۰۹۹ھ یا ۱۱۰۰ھ میں پیدا ہوا تھا۔ والدہ کا نام انوپ بائی تھا۔ احمد شاہ بن محمد شاہ کی معزولی کے بعد تخت نشین ہوا ۱۱۷۳ھ میں غازی الدین خاں عماد الملک نے دھوکے سے اسے قتل کروا دیا۔ ہمایوں کے مقبرے میں اس کو دفن کیا گیا۔ مفتاح التواریخ ص ۳۴۰۔ ۳۴۲ سیر المتاخرین (اردو ترجمہ) ج ۲۔ ص ۷۴

[4] غازی الدین خاں، عماد الملک آصف جاہ اول کے بیٹے فیروز جنگ کا لڑکا تھا اور اعتماد الدولہ قمر الدین خاں (وزیر محمد شاہ) کا بھانجا۔ احمد شاہ بن محمد شاہ کے عہد میں امیر الامراء کا عہدہ پایا۔ احمد شاہ کو معزول کر کے عالمگیر ثانی کو تخت پر بٹھایا۔ بعد ازیں عالمگیر ثانی کو بھی شہید کر دیا۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کے حملوں سے شکست خوردہ سورج مل جاٹ کے ساتھ کچھ دنوں قیام کیا۔ آخری زمانے میں کالپی میں سکونت اختیار کر لی تھی اور ۱۸۰۰ء میں وہیں اس کا انتقال ہوا۔ مرزا قتیل کو اس کی سرپرستی حاصل تھی۔ ملاحظہ ہو۔ ماثر الامراء (فارسی) ج ۲۔ ص ۸۴۷۔ ۸۵۶ ۸۸۵۔ ۸۹۳

ایک ڈھکوسلا بنا کر عرض کیا کہ حضور پرانے کوٹلے میں ایک فقیر صاحب کمال آئے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا اچھا بلاؤ۔ اس نے کہا بہت خوب۔ دوسرے دن پرانے کوٹلے میں ایک موقع کا مکان تجویز کر، دو آدمی خنجر لے کر وہاں چھپا دیئے اور بادشاہ سے جھوٹ موٹ کہا کہ صاحب کرامات فقیر کہتے ہیں کہ ہم آپ بادشاہ ہیں۔ بادشاہ کو غرض ہے تو آپ ہمارے پاس چلے آئیں۔ بادشاہ فقیروں سے بہت عقیدت رکھتا تھا۔ فرمایا ہم آپ چلتے ہیں جب کوٹلے میں پہنچے، وزیر نے عرض کیا جہاں پناہ فقیر صاحب یہ بھیڑ بھاڑ دیکھ کر ناراض ہوں گے۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ اچھا سب یہیں ٹھہریں۔ بادشاہ تن تنہا وزیر کے ساتھ اندر گئے۔ جاتے ہی دونوں نابکاروں نے بادشاہ کے خنجر بھونک دیں اور کام تمام کر کے لاش کو دریا کی طرف نیچے پھینک دیا[۱]... ادھر دریا کی طرف سے کوئی ہندنی[۲] چلی آرہی تھی۔ کہیں اس کی نگاہ پڑی۔ ... پاس آکر دیکھا تو پہچانا کہ یہ تو ہمارے بادشاہ ہیں۔ وہیں بیٹھ گئی۔ شاہ عالم نے اس ہندنی کی خیر خواہی پر کہ اس نے میرے باپ کی لاش کی رکھوالی کی۔ اس کو اپنی بہن بنایا۔ اور بہت کچھ اسے دیا۔ بہنوں کی طرح ساری رسمیں اس سے برتتے رہے۔ وہ بھی بھائی سمجھ کر اپنی رسم کے موافق سلونو کے تہوار کو بہت سی مٹھائی تھالوں میں لے کر آتی تھی۔ اور بادشاہ کے ہاتھ میں سچے موتیوں کی راکھی باندھتی تھی۔ بادشاہ اس کو اشرفیاں اور روپے دیتے تھے۔ شاہ عالم کے بعد اکبر ثانی نے اس سے اور بہادر شاہ ظفر نے اس کی اولاد سے یہ رسم نباہی[۳]۔

۱۔ عالمگیر ثانی کے قتل کے متعلق معلومات کے لئے ملاحظہ ہو۔ میر کی آپ بیتی ص ۱۰۸۔ ۱۱۹ مآثر الامرا (فارسی) ج ۲۔ ص ۸۵۵، تاریخ احمد شاہی ص ۲۹ الف و ب، سیر المتاخرین (اردو ترجمہ) ج ۳۔ ص ۶۲۔ ۶۳، مفتاح التواریخ۔ ص ۳۴۱

۲۔ اس عورت کا نام رام کور تھا۔

۳۔ بزم آخر۔ ص ۷۴۔ ۷۵

راکھی درحقیقت حفاظت کا تعویذ ہے۔ اس زمانے میں بھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہندو اور مسلمان مائیں اپنے بچوں کے گلے میں اس طرح کے تعویذ ڈال دیا کرتی ہیں[۱]۔ اور دیہاتوں کے ہندو اور مسلمان، دونوں اب بھی اپنی بہنوں سے راکھی بندھواتے ہیں۔

اس تہوار میں خاص طور پر لڑکوں کا رقص ہوتا تھا۔ سلونو کی رقص کی محفلیں یا تو مسلمان خود اپنے یہاں سجاتے تھے یا دوسروں کے ہاں جا کر لطف اندوز ہوتے تھے[۲]

نظیر اکبر آبادی نے اپنے مخصوص انداز میں راکھی کے تیوہار پر ایک نظم لکھی ہے۔ اور اس زمانے کی عکاسی کی ہے۔

چلی آتی ہے اب تو ہر کہیں بازار کی راکھی — سنہری سبز ریشم زرد اور گلنار کی راکھی
بنی ہے گو کہ نادر خوب ہر سردار کی راکھی — سلونوں میں عجب رنگین ہے اس دلدار کی راکھی
نہ پہنچے ایک گل کو یار جس گلزار کی راکھی

مچی ہے ہر طرف کیا کیا سلونوں کی بہار اب تو — ہر اک گل رو پھرے ہے راکھی باندھے ہاتھ میں خوش ہو کر
ہوس جو دل میں گذرے ہے کہوں کیا آہ میں تم کو — یہی آتا ہے جی میں بن کے باہمن آج تو یارو
میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھوں پیار کی راکھی[۳]

۱۹۴۷ء کے بعد سے مسلمانوں میں یہ جشن بند ہو گیا تھا۔ پنڈت نہرو نے پھر سے اس جشن کا احیاء کیا اور اب ہر سال پھول والوں کی سیر" کا جشن ہوتا ہے۔

باقی آئندہ

---

[۱] ہندو تہواروں کی اصلیت۔ ص ۷۲

[۲] ہفت تماشا۔ ص ۷۹

[۳] کلیات نظیر اکبر آبادی۔ ص ۵۴۴ - ۵۴۵